توحید... وحدت الوجود کے تناظر میں

مولف: ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب توحید.....وحدت الوجود کے تناظر میں

اشاعت اول ۲۰۰۵ء مطابق ۱۴۲۶ھ

اشاعت دوم ۲۰۱۲ء مطابق ۱۴۳۳ھ

کمپوزنگ احمد گرافکس۔کراچی

طباعت ویلکم بک پورٹ۔کراچی

سرورق جمیل قریشی

ہدیہ

زیراہتمام جماعت سالکین خانقاہ آغائیہ مرتضویہ ٹرسٹ کراچی

E-Mail: info@agharang.org

Website: www.agharang.org

ملنے کا پتہ

ویلکم بک پورٹ (پرائیویٹ) لمیٹڈ، مین اردو بازار، کراچی۔ پاکستان

فون : 021-32639581/32633151

فیکس : 021-32638086

ای میل : wbp@welbooks.com

۲۔مکتبۂ رضویہ۔گاڑی کھاتہ۔نزد لائٹ ہاؤس، کراچی

فون : 32627897,32216464

۳۔نظامی کتب خانہ، بازار بابا صاحبؒ،

پاک پتن، پنجاب، پاکستان

انتساب

حاصلِ عمر نثار رہ یارے کر دم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کر دم

میں اپنی اس پیشکش کو مولانا و مرشدنا والد ماجد حضرت شاہ میرزا مرتضیٰ حسین قادری چشتی نیازی نظامی رحمتہ اللہ علیہ کے نام نامی اسم گرامی سے معنون کرنے کا اعزاز حاصل کرتا ہوں۔ جن کے فیضان توجہ اور برکات تربیت سے میں ان سطور کے لکھنے کا اہل ہوا۔

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

احقر
مؤلف

فہرست

آغاز ۷

تمہید ۱۶

حق تعالیٰ کے متعلق تصورات ۲۶

اسلامی نقطۂ نظر ۲۷

توحید ۲۸

وجود ۳۶

وجود کے متعلق شیخ اکبرؒ کا مسلک ۴۳

عالم کی بنیاد عدم نہیں ہے (ایک مغالطہ کا ازالہ) ۵۵

وحدت الوجود ۶۳

حق تعالیٰ کے دو طرح کے کمال (کمال ذاتی۔ کمال اسمائی) ۷۹

فیض اقدس۔ فیض مقدس ۸۰

کُن۔ حقیقتِ عالم ۸۲

غیر اللہ ۸۹

شیخ اکبرؒ کے ایک قول کی وضاحت ۹۸
تنزّلات ۱۰۰
(الف) مراتب الٰہیہ ۱۰۹
(۱) احدیت (ہاہوت) ۱۰۹
(۲) وحدت (لاہوت) ۱۱۴
(۳) واحدیت (جبروت) ۱۲۰
اعیان ثابتہ ۱۲۳
(ب) مراتب کونیہ (بعد کُن) ۱۳۶
(۴) ملکوت (عالم ارواح) ۱۳۷
(۵) عالم مثال ۱۴۴
(۶) ناسوت یا عالم حس وشہادت ۱۴۶
(۷) انسان (انسان کامل۔ حقیقت محمدیؐ) ۱۴۷
حقیقت انسانی: ۱۴۷
حقیقت محمدیؐ: ۱۵۱
انسانِ کامل ۱۵۲
وحدت الوجود اور قرآن ۱۵۷
وحدت الوجود اور احادیث ۱۶۵
کلمہ طیبہ اور وحدت الوجود ۱۶۸
وحدت الوجود کے اثبات میں بزرگوں کے اقوال ۱۷۰
موَحدین کے چند فرقے ۱۸۵
تنزیہہ وتشبیہ ۱۸۹
تعیّن (تقیّد) ۱۹۴

تجلّی ۱۹۸
تجدّدِ امثال ۲۰۳
قرب (قرب نوافل اور قرب فرائض) ۲۱۲
فنا و بقا ۲۱۷
ذات۔ اسماء وصفات ۲۲۵
اللہ ۲۳۷
بعض شکوک اور ان کا ازالہ ۲۴۰
وحدت الوجود اور عبادت ۲۴۷
وحدت الوجود دیگر مذاہب میں ۲۵۶
(ایک تقابلی مطالعہ)
نوفلاطونیت ۲۵۹
ویدانتی عقائد ۲۶۵
بدھ مت ۲۷۲
ایرانی مجوسی تصوّر ۲۷۵
یہودی نظریہ ۲۷۷
مسیحیت ۲۷۹
چینی تصوف ۲۸۱
غیر مسلموں کا اعتراف ۲۸۲
وحدت الشہود ۲۹۳
مؤلف کی دیگر تالیفات ۳۱۵
جماعت کی دیگر کتابیں ۳۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

آغاز

اہل علم حضرات سے یہ مخفی نہیں کہ ''وحدت الوجود'' ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ خاصی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جو اسے زندقہ اور گمراہی سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بھی کثیر تعداد میں ہیں جو اسے اصل توحید اور اصل اسلام سمجھتے ہیں۔ ''وحدت الوجود'' تو ایک خصوصی مسئلہ ہے لیکن خود ''تصوف'' کا لفظ بھی بعض اذہان کے لیے قابل قبول نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہے کہ قرون اولیٰ میں یہ لفظ کہیں نظر نہیں آتا۔ اس بحث کا یہ موقع نہیں۔ ''تصوف'' پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اس کی تعریف اور ماخذ وغیرہ جو کچھ بھی ہو لیکن تصوف میں ''صفائی'' کا مفہوم ہر تعریف میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ یعنی تصفیہ قلب۔ تصفیہ نفس۔ تصفیہ روح وغیرہ اس میں شامل ہیں اور اس تصفیہ یا ''صفائی'' کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اصولاً اس سے کوئی مذہب مستثنیٰ نہیں اور ہر مذہب میں ''تصفیہ'' یا ''صفائی'' کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ مذہب کی ترقی یافتہ صورت تصوف ہے اور تصوف کا انتہائی نقطہ نظر توحید وجودی ہے۔ توحید وجودی یا وحدت الوجود کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام موجودات کی حقیقت ایک ہے اور وہ حق تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ نظریہ صحیح ہو یا غلط لیکن کائنات کے لیے رحمت ہے اور ساری کائنات سے محبت سکھاتا ہے۔ کیونکہ اس کی رو سے ساری کائنات کی حقیقت ایک ہے۔ سارے تعینات جو افراد کی صورت میں ظاہر ہیں ایک حقیقت کا ظہور ہے۔

مذہب ہو یا کوئی اور چیز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک ظاہر و باطن الفاظ

و معانی ، پوست و مغز سب کو سامنے نہ رکھا جائے۔ آم کو ہم آم جب ہی کہتے ہیں جب پورا آم کا پھل ہمارے سامنے ہو۔ اس کے چھلکے، گودے اور گٹھلی کو الگ الگ آم نہیں کہتے۔ انسان مجموعہ ہے۔ ظاہر و باطن کا۔ ظاہر اس کا جسم ہے باطن اس کی روح۔ دونوں کی نشو ونما جب تک پہلو بہ پہلو نہ ہو تکمیل انسانیت نہیں ہوتی۔ مذہب چند بے معنی رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل دستور العمل ہے جس پر ہماری فلاح کا انحصار ہے۔ یہ بھی ایک مسلّمہ امر ہے کہ اس دستور العمل کا وہ حصّہ جو ہماری درونی اصلاح اور باطنی فلاح سے متعلق ہے ہماری توجہات کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس کے بغیر ہماری ظاہری اصلاح چنداں مفید نہیں ہوسکتی۔ اسی درونی اصلاحات کے متعلقات کو دراصل ''تصوف'' کہا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت ذکریا انصاریؒ کی تعریفِ تصوف میرے خیال سے بہت جامع و مانع ہے۔ آپ فرماتے ہیں ''تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس تصفیہ اخلاق۔ تعمیر ظاہر و باطن کے احوال کا علم ہوتا ہے تاکہ سعادت ابدی حاصل کی جاسکے۔ اس کا موضوع بھی تزکیہ و تصفیہ اخلاق و تعمیر ظاہر و باطن اور اس کی غایت و مقصد سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے'' (حاشیہ رسالہ قشیریہ)۔ بقول ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی) تصوف کی تعلیم تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق ہی کی حد تک محدود نہیں۔ بلکہ یہ علم ''قرب'' بھی عطا کرتا ہے جس کے نتیجے کے طور پر صوفی اپنی قیومیت ذاتیہ سے فنا ہوکر حق تعالیٰ کی قیومیت سے باقی ہوتا ہے۔ اس طرح تصوف کی اصل دراصل ''احسان'' ہے جو عبارت ہے صدق توجہ الی اللہ سے۔ تصوف حقیقتاً کلیتہً اسلام ہے۔ اسلام کی روح ہے۔ اسلام کا حسن و جمال بلکہ اسلام کا کمال ہے۔

ظاہر و باطن کے حوالے سے کئی احادیث ہیں تفصیلی بحث چھوڑ دی گئی ہے صرف ایک حدیث دی جارہی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے تو ایک باطن بھی ہے اور ایک نہایت مقام ترقی کا ہے (ابن حبان بروایت ابن مسعودؓ)۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

حرف قرآں مداں کہ ظاہریست　　زیر ظاہر باطنے ہم قاہریست
زیر آں باطن یکے بطن دگر　　خیرہ گرددا ندر و فکر و نظر

(یعنی قرآن کے حروف کو یہ نہ سمجھو کہ محض ظاہر ہے۔ اس ظاہر کے اندر باطن بھی موجود ہے اور اس باطن کے اندر ایک اور باطن ہے کہ وہاں فکر ونظر خیرہ ہوجاتی ہے)

معارف دینی میں الفاظ سطحی چیز ہیں اور جو شخص الفاظ سے گزر کر معنی میں غوطہ زن نہ ہوسکے اس کی معرفت بھی سطحی ہوتی ہے۔ یہی دریائے معانی میں غوطہ زنی دراصل تصوف کی بنیاد ہے۔ ارتقائے روحانی ظاہر سے باطن کی طرف آنے کا نام ہے۔ اسی طرح شریعت ظاہر ہے۔ اس کا باطن طریقت یا تصوف ہے۔ لیکن یہ اصولی بات ہے کہ ظاہر سے بھی قطع نظر ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اسی طرح ہر باطن کا بھی ایک ظاہر ہوتا ہے اور اہمیت میں کمتر نہیں ہوتا۔ اسی لیے شارع علیہ السلام نے عبادات کا جو ظاہری رُخ پیش کیا ہے اس پر عمل ناگزیر ہے۔ عبادت ایک معنوی چیز ہے لیکن ضروری ہے کہ افعال و اعمال سے بھی اس کا اظہار ہو۔ مولانا رومؒ نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً کوئی بھی پھل بغیر چھلکے کے نہیں ہوتا۔ قدرت نے پھل کے مغز پر چھلکے کا غلاف چڑھا دیا ہے۔ گو مغز کی اہمیت زیادہ ہے۔ لیکن بغیر چھلکے کے مغز محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جسمِ حیوانی میں بھی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ گو اس ہڈی سے زیادہ مغز کی اہمیت ہوتی ہے لیکن ہڈیوں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ دینی تعلیم الفاظ میں دی جاتی ہے۔ بغیر الفاظ کے سہارے کے اس تعلیم کا مفہوم جو اس کا مغز ہے دوسروں تک نہیں پہنچایا جاسکتا۔ لیکن خرابی اس وقت ہوتی ہے جب ظاہر پرست ان الفاظ کی ہڈیوں پر جنگ و جدال کرنے لگتے ہیں۔ اس کی معنویت یا مغز کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم کا مغز بھی الفاظ کی ہڈیوں کے اندر ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

من زقرآں برگز یدم مغزرا　　استخواں پیش سگاں اند اختم

(یعنی میں نے قرآن سے اس کا مغز نکال لیا ہے اور ہڈیاں کتوں کے آگے ڈال دی ہیں)

مولانا روم نے کئی خوبصورت مثالوں سے اس کو واضح کیا ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے ''حکمت رومی'' میں ''صورت و معنی'' کے عنوان سے اس پر بڑی دلچسپ بحث کی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

بحررا پوشید و کف کرد آشکار　　بادرا پوشید و بنمودت غبار

(دریا خود چھپا رہتا ہے لیکن اس کا جھاگ نظر آتا ہے۔ ہوا چھپی رہتی ہے صرف غبار نظر آتا ہے۔)

مراد یہ ہے کہ ظاہر پرست لوگ صورت پر چمٹے رہتے ہیں لیکن اس کے معانی پر غور نہیں کرتے جس سے وہ صورت پیدا ہوتی ہے۔ اڑتے ہوئے غبار میں خاک دکھائی دیتی ہے لیکن ہوا جو اس خاک کو اڑا رہی ہے وہ نظر نہیں آتی۔ تلاطم دریا کی سطح پر جھاگ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن دریا نہیں دکھائی دیتا۔ خس و خاشاک سطح پر تیرتے ہیں لیکن موتی تہ کے اندر صدف میں پنہاں ہوتے ہیں۔ موجودات کے ظاہر و باطن کا ہر جگہ یہی حال ہے۔ محض ظاہر پر نظر رکھ کر باطن کو نظر انداز کر دینا دانائی نہیں ہے۔ کعبہ کے سنگ و خشت کو خدا کا گھر سمجھنا یا فقہ کے دفتر کو عین دین سمجھنا اسرار دین سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

اس پوری تحریر کا مقصد یہ ہے۔ دین اور عبادات کے باطنی پہلو کو طریقت کہتے ہیں۔ یہی تصوف ہے۔ یہی احسان ہے۔ شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہوسکتا کہ بندہ محض عبادات کے رسمی آداب میں اُلجھ کر رہ جائے۔ محض مخصوص جنبش اعضا کو نماز اور صرف فاقہ کو روزہ نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک اس میں تقویٰ اور خشیت الٰہی کا عنصر شامل نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کو شریعت۔ طریقت، حقیقت وغیرہ کے مختلف خانوں میں اس طرح بانٹنا غلط اندازِ فکر ہے۔ دین ایک کُل ہے۔ جس کے یہ تمام اجزا ہیں۔ ایک کتاب ہے جس کے یہ مختلف ابواب (Chapters) ہیں۔ جیسے باب الصلوٰۃ۔ باب الصوم۔ باب الاخلاق

وغیرہ۔ باب التصوف بھی ایک باب (Chapter) ہے۔ سب مل کر دین کی تکمیل ہوتی ہے۔ خوشبو کے الگ الگ ٹکڑے نہیں کیے جاسکتے۔ دین اسلام انسان کی ظاہری و باطنی زندگی کی اصلاح اور اس کے عروج کی شاہراہ ہے۔ ان دونوں زندگیوں کی تکمیل کے لیے اس نے ضروری اصول وضوابط مقرر کیے ہیں۔ ان تمام اصول وضوابط کے مجموعہ کا نام ''شریعت مطہرہ'' ہے۔ لیکن عرف عام میں ظاہری حیات کے ضابطے یا اعمال جوارح کو شریعت اور باطنی حیات کے ضابطے کو طریقت کہتے ہیں۔ حقیقت و معرفت ''قرب'' کی منزلیں ہیں اور واصل بحق ہونا منزل مقصود ہے۔ یعنی دین اسلام شریعت عرفی وطریقت اور حقیقت و معرفت کے مجموعے کا نام ہے۔ اس طرح شریعت مطہرہ گویا اسلام کی ان تمام شقوں پر محیط ہے نہ کہ صرف احکام جوارح و اعمال ظاہری تک محدود۔ شریعت وطریقت ایک دوسرے کا تکملہ ہیں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ شریعت بغیر طریقت کے گمراہی اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ ہے تو وہاں شریعت سے مراد شریعت عرفی ہوتی ہے ورنہ شریعت مطہرہ دونوں کو جامع ہے اور اسی میں حقیقت و معرفت بھی شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ شریعت نبوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قال اور حال دونوں پر حاوی ہونا چاہیے۔ ان کی بنیاد تزکیہ نفس اور تجلیہ قلب وروح پر قائم ہے۔ محض اعمال ظاہری کی انجام دہی کا نام شریعت نہیں ہے۔ یہ سب راستے خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک بغیر عشق کی رہنمائی کے خدارسی کے یہ منازل طے نہیں ہوسکتے۔

مقصودِ منِ خستہ زکونین توئی　　از بہر تو میرم و برائے تو زیم

(یعنی مجھ خستہ حال کا مقصود دنیا میں صرف تو ہے۔ تیرے ہی لیے مرتا ہوں اور تیرے ہی لیے جیتا ہوں) قرآن پاک کی یہ آیت بھی اس کی شاہد ہے۔ ''ان صلاتی و نسکی و محیای ومماتی للہ رب العٰلمین'' (الانعام ع ۲۰) (یعنی یقیناً میری نماز۔ میری قربانیاں۔ میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے) اس کا طریقہ کیا ہے یہ بھی قرآن پاک نے واضح طریقہ پر بتا دیا ہے ''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی'' یعنی اے محمد کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اور یہ

بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ بغیر عشق و محبت کے اتباع کامل ممکن ہی نہیں۔ ان کا مقصود، معبود، محبوب سب کچھ خدا اور صرف خدا ہوتا ہے۔ وہ خدا کی عبادت بھی خدا کی محبت میں کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ اپنی اور کائنات کی ''انا'' کو معشوق حقیقی پر قربان کر دیتے ہیں۔ درمیانی حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ بقول جناب پروفیسر عبدالغنی ؒ یہی وصل ہے۔ انہیں تمام مراحل کا مجموعہ عقیدہ ''وحدت الوجود'' ہے کیوں کہ جب تک وہمی غیریت دور نہ ہو وصال حق پر نہ یقین کامل ہوتا ہے نہ وصال حق حاصل ہوسکتا ہے۔ یہاں وصال دو مختلف وجودوں کا نہیں ہوتا کیوں کہ وجود تو واحد ہے۔ صرف حجاب غیریت دور ہوتا ہے۔ اسی کا نام وصال ہے۔ چوں کہ مذکورہ بالا مذہب اولیا و اصفیا جس کا مختصر نام ''وحدت الوجود'' ہے اپنے کسی مرحلہ میں اسلامی اصولوں ضابطوں اور قاعدوں سے بے نیاز نہیں ہے۔ لہٰذا وہ عین شریعت بلکہ روحِ شریعت جمال و کمالِ شریعت ہے کیوں کہ اس کی بنیاد ان غوامض پر قائم ہے۔ جو قرآن و احادیث کا عطر ہیں نہ کہ سطحیات پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت جامعیت کا درجہ رکھتی تھی۔ آپؐ کی حیات مبارکہ کی ظاہری تگ و دو کے ساتھ ساتھ آپؐ کا یہ ارشاد بھی قابل توجہ ہے ''لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملك مقربٌ ولا نبی مرسل'' (یعنی مجھے اللہ کے ساتھ وقت ہوتا ہے جہاں نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل) اس سے ثابت ہوا کہ آپؐ کی شریعت۔ آپ کا راستہ احکام و اعمال ظاہری و باطنی یعنی قال و حال دونوں پر مشتمل تھا۔ پس شریعت وہ نہیں ہے جس میں صرف مسائل ظاہری کا بیان ہو بلکہ شریعت اسلامی وہ ہے جس میں غوامض و اسرار کی تعلیم بھی شامل ہو۔ دین میں اسرار پر بحث کا یہ موقعہ نہیں لیکن قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہے کہ دین میں اسرار ہیں۔ یہی اسرار باطنِ شریعت ہیں جن کا انکار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا انکار ہے۔ اسرار توحید ہی کا نام اصطلاحاً ''وحدت الوجود'' ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ کتاب کلیتہً ''تصوف'' کو احاطہ نہیں کرتی۔ جیسا کہ کہا جاچکا ہے ہر عبادت اور ہر خیر و حسنات کا باطنی پہلو تصوف ہے۔ اس طرح یہ موضوع بہت وسیع ہوجاتا ہے۔ جن کو ایک جگہ لکھنا بہت دشوار ہے۔ ہم نے فرض عبادات کو جن پر دین کی بنیادیں استوار ہیں علیٰحدہ کتاب میں بیان کیا ہے۔ اس کا نام ''ارکان خمسہ کی عارفانہ تشریح'' ہے جس کا موضوع کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہے۔ اس تحریر میں کتاب دین کا محض ایک باب (Chapter) ''توحید'' بیان کیا گیا ہے۔ جو دین کی عمارت کا سب سے نمایاں اور اہم ترین ستون ہے۔ یعنی اس کا موضوع صرف ''توحید'' ہے۔ جسے صوفیائے کرام نے ''وحدت الوجود'' کا نام دیا ہے۔ دین کے دوسرے عقائد کو اس میں نہ تلاش کیا جائے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ میں نے شروع ہی میں یہ عرض کر دیا ہے کہ ''وحدت الوجود'' ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ کسی کی بھی رائے دوسروں پر مسلط نہیں کی جاسکتی ہے۔ بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا یہ مسئلہ انسانی فکر کا ہمیشہ موضوع رہا ہے اور یہ مسئلہ اب بھی زندہ اور موجود ہے۔ اس لیے اس سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا۔ چوں کہ اس مسئلے میں فلسفہ کی بھی آمیزش ہے۔ اس لیے دُنیائے فلسفہ میں بھی یہ بحث ہمیشہ سے موضوع گفتگو رہی ہے۔ زمانہ اب ہر بات کو ہر چیز کو استدلال کی عینک سے دیکھتا ہے۔ اس لیے دین میں بھی یہ نقطہ نظر وقت کا تقاضا ہے۔ یہاں یہ بات بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ اس تحریر کا مقصد عقیدہ وحدت الوجود کی تبلیغ یا اشاعت نہیں ہے بلکہ صرف یہ خیال ہے کہ ''وحدت الوجود'' کے صحیح خدوخال کو بزرگان دین کی تعلیمات کی روشنی میں پیش کروں کیونکہ میں نے اپنی طویل زندگی میں یہ محسوس کیا کہ ''وحدت الوجود'' کی صحیح تفہیم اکثر ذہنوں میں نہیں ہے۔

اس کتاب کو لکھنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ میں نے دس بارہ کتابیں لکھی ہیں ہر کتاب میں ''وحدت الوجود'' کا کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور زیر بحث آیا ہے۔ اس طرح یہ

بیان بہت منتشر اور پھیلا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کسی میں کوئی مسئلہ ہے کسی میں کوئی دوسرا۔ احباب کا اصرار بھی تھا اور خود میرا بھی یہی خیال ہوا کہ ان سب کو یکجا کر دیا جائے۔ تاکہ پڑھنے والا ایک ہی جگہ ان مسائل پر نظر ڈال سکے۔ چنانچہ جن حضرات نے میری سب کتابیں پڑھنے کی زحمت گوارا کی ہے وہ محسوس کریں گے کہ بعض عبارتیں بلکہ بعض صفحات پورے کے پورے من وعن نقل کر دیئے گئے ہیں۔ شاید یہ تکرار بعض طبائع پر گراں گذرے لیکن یہ ناگزیر تھا۔ بجائے اس کے کہ میں ازسرنو ان عنوانات پر کچھ لکھتا۔ مناسب یہی معلوم ہوا کہ انہیں کو دوبارہ بیان کر دیا جائے۔ کیوں کہ بہرطور نفس مضمون تو تبدیل نہیں ہوسکتا۔ طرزِ بیان میں قدرے تفریق ممکن ہے۔ کچھ ضروری اضافے ضرور اس میں ملیں گے۔

ایک بڑا مسئلہ زبان کا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زبان بہت مشکل استعمال کی گئی ہے اصطلاحات عام فہم نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس علم کی جو اصطلاحات زمانہ سے رائج ہیں انہیں تبدیل کرنا میری نظر میں مناسب نہیں اصطلاح کی تشریح تو کی جاسکتی ہے لیکن رائج اور مانوس الفاظ کو بدلنا خواہ وہ کسی زبان کے بھی ہوں ایک نئی دشواری پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ اقتباسات کی زبان بدلنے کا تو کسی بھی لکھنے والے کا حق نہیں کیوں کہ اقتباس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ زبان کسی اور کی ہے۔ البتہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اسے نسبتاً آسان زبان میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن فلسفیانہ مضامین کو افسانے کی زبان میں نہیں بیان کیا جاسکتا۔ مشکل مضامین کو سہل الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں یوں بھی اگر غور کیا جائے۔ ہر علم کی اپنی مخصوص زبان اور مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں۔ طب کا طالب علم انجینئرنگ کی زبان کو اگر نہ سمجھ پائے تو اس کا یہ شکوہ غلط ہے کہ زبان پیچیدہ اور اصطلاحات مشکل ہیں کسی علم کی جب تک کچھ ابتدائی شدبد نہ ہو آگے کے اعلیٰ مضامین کو سمجھنے میں یقیناً قاری کو دشواری ہوگی۔ بہرحال میں نے یہ التزام کیا ہے کہ مشکل الفاظ یا اصطلاحات کی تشریح بریکٹ یا فٹ نوٹ میں لکھ دی ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ بشر خطا و نسیان کا پتلا ہے۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے اپنے محدود علم کی بناء پر لکھا ہے۔ ممکن ہے اس میں کہیں سہو یا لغزش کا پہلو ہو۔ اہل دانش سے التجا ہے کہ اسے درگزر فرمائیں اور بجائے عیب جوئی کے میری اصلاح کی کوشش فرمائیں۔ قارئین کرام مؤلف کے حق میں دُعائے خیر فرمائیں۔

میں ان تمام حضرات کا ممنون ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی طرح اس کتاب کی اشاعت میں مجھ سے تعاون کیا۔ پروف ریڈنگ ایک مشکل مسئلہ ہے۔عزیزی محمد رفیق اللہ انصاری عرف رضی انصاری کے تعاون سے یہ مشکل مسئلہ حل ہوگیا۔ اس میں ان کی اہلیہ پروین نے بھی معاونت کی۔ یہ لوگ میرے عزیز ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ کسی کتاب کی طباعت و اشاعت میں اخراجات کا ہے۔ پہلی اشاعت کا پورا بار عزیزی محمد سلیم خان صاحب نیازی نے اپنے سر لیا تھا۔ اس سے پہلے وہ میری کچھ اور کتابیں بھی طبع کرا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال کرے۔

دوسرے ایڈیشن کے مکمل اخراجات عزیزہ شائستہ بشارت نے برداشت کیے ہیں۔ وہ میری پھوپی زاد بہن کی پوتی اور بشارت علی مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔ اپنے بچوں کا شکریہ کیا ادا کروں دعائیں البتہ دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں ان کو سرخ رو رکھے۔

فقط

خاکپائے فقرائے کرام ڈاکٹر میرزا اختیار حسین

المتخلص بہ کیف عفی عنہ